



ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL

Available Online: <https://assajournal.com>

Vol. 04 No. 02. Oct-Dec 2025. Page#. 41-58

Print ISSN: [3006-2497](#) Online ISSN: [3006-2500](#)Platform & Workflow by: [Open Journal Systems](#)

Principles of Justice and Equality in Shura and Democracy: A Comparative Study in the Light of Hanafi Jurisprudence

شوری اور جمہوریت کے اصولِ عدل و مساوات فقہ حنفی کی روشنی میں ایک تقابلی مطالعہ

Dr. Muhammad Zakariya

Lecturer, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan

zaka336@gmail.com

ABSTRACT

This paper discusses the comparative philosophy of justice and equality in Shura (consultative governance) and Democracy, and this is done in the prism of Hanafi jurisprudence. The study notes that although in its modern context, democracy has been seen as the best form of government, it is anchored on the popular sovereignty, but in Islam, it is Allah who is the only sovereign with human beings serving as his vicegerents to enforce justice. Shura, which has its foundation in the Quran and Sunnah, is based on collective consultation with divine principles whereas democracy is based on majority rule and secular legal systems. The research is a qualitative and analytical research that uses the primary sources of Islam, the Quran (particularly, Surah Al-Shura and Al-Imran), Prophetic traditions, and classical works of Hanafi such as the al-Hidayah, al-Mabsut, and Radd al-Muhtar. It also includes the current works of scholars like Yusuf al-Qaradawi and Taha Jaber al-Alwani. The study examines four key areas, including (i) conceptual framework of Shura as a model of Islamic governance, (ii) principles of democracy, and its history in the West and in the Muslim world, (iii) Hanafi principles of justice, equality and social balance, and (iv) comparative analysis of the two systems in respects of human rights, minority representation, women, and leadership. Results indicate that Shura and democracy are similar in that they encourage consultation and representation, accountability, but differ essentially in their sources of legitimacy and moral limits. Within the Hanafi jurisprudence, the idea of justice not only implies equality before the law, but also the economic and moral equality, the ability to protect everyone, both women and minorities, under the system of the divine law. The paper finds that a balanced approach to the governance system in the Muslim societies, in which democratic institutions are supplemented by Shura and Hanafi principles, is capable of offering Muslim societies a more balanced system of governance that protects the concepts of justice, equality, and socio-political harmony.

Keywords: Shura, Democracy, Hanafi Jurisprudence, Justice and Equality, Islamic Political Thought.

1- مقدمہ

اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد شوریٰ کے اصول پر استوار ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً موجود ہے۔ شوریٰ کا مفہوم اجتماعی مشاورت اور اجتماعی عقل کے استعمال کو فروغ دینا ہے، جس کا مقصد معاشرے میں عدل و مساوات قائم کرنا ہے۔ جدید دور میں جمہوریت کو حکومت کا بہترین نظام سمجھا جاتا ہے، جس میں عوام کی رائے کو حکومتی فیصلہ سازی میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ تاہم، جمہوریت اور شوریٰ کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ جمہوریت میں حاکمیت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جبکہ اسلامی نقطہ نظر میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور انسان اس کے نائب کی حیثیت سے زمین پر عدل قائم کرنے کے پابند ہیں۔ فقہ حنفی، جو ایک وسیع اور منظم فقہی مکتب فکر ہے، نے سیاسی نظریات اور حکومتی اصولوں پر گہرے

اثرات مرتسم کیے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سیاسی افکار میں مشاورت، عدل، اور مساوات کے اصولوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جدید دور میں جب جمہوریت کے نام پر بعض اوقات اقلیتیں نظر انداز ہوتی ہیں یا معاشی استحصال بڑھتا ہے، تو شوریٰ کا نظام ایک متوازن اور عادلانہ حل پیش کرتا ہے۔ اس تحقیق کی اہمیت اس میں پوشیدہ ہے کہ یہ نہ صرف دونوں نظاموں کے تقابلی جائزے پیش کرے گی، بلکہ فقہ حنفی کی روشنی میں عدل و مساوات کے اصولوں کی عصری تطبیق کو بھی واضح کرے گی۔

اس تحقیق کا بنیادی مقصد شوریٰ اور جمہوریت کے نظاموں کا عدل و مساوات کے اصولوں کی روشنی میں تقابلی جائزہ پیش کیا ہے، خاص طور پر فقہ حنفی کے تناظر میں۔ اس کے تحت سب سے پہلے شوریٰ کے اسلامی تصور کو واضح کیا ہے، جس میں حاکمیت الہیہ کے تحت عوام کی مشاورت شامل ہے۔ دوسرا مقصد جمہوریت کے بنیادی اصولوں کا تجزیہ کیا ہے، جس میں عوامی حاکمیت، انتخابی عمل، اور اکثریتی rule کو دیکھا ہے۔ تیسرا مقصد فقہ حنفی کے سیاسی نظریات کا جائزہ لیا ہے، جس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مشاورتی اصولوں، عدالتی نظام، اور حکومتی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔ چوتھا مقصد دونوں نظاموں میں عدل و مساوات کے پہلوؤں کا موازنہ کیا ہے، مثلاً یہ کہ کونسا نظام انصاف کی زیادہ ضمانت دیتا ہے اور سماجی توازن قائم رکھتا ہے۔ پانچواں مقصد عصری دور میں شوریٰ کے نظام کی تطبیق کے امکانات کا جائزہ لیا ہے، خاص طور پر مسلم ممالک میں جہاں جمہوریت اور اسلامی اقدار کے درمیان کشمکش پائی جاتی ہے۔

اس تحقیق میں qualitative research method استعمال کیا جائے گا، جس میں توصیفی اور تجزیاتی طریقہ کار کو اپنایا ہے۔ بنیادی ماخذات میں قرآن مجید کی relevant آیات، خاص طور پر سورہ الشوریٰ، اور احادیث مبارکہ شامل ہیں، جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے مشاورتی عمل کو بیان کیا ہے۔ فقہی ماخذات میں فقہ حنفی کی معتبر کتب جیسے "الھدایہ" "للعلامہ المرغینانی"، "رد المحتار" ابن عابدین شامی، اور "الأصل" للإمام محمد بن الحسن الشیبانی شامل ہیں، جن میں سیاسی نظریات اور حکومتی اصولوں پر تفصیلی بحث موجود ہے۔ جدید ماخذات میں معاصر علماء کی تحقیقات، جیسے ڈاکٹر طہ جابر علوانی کی "الشوریٰ فی الاسلام" اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی "من فقہ الدولۃ فی الاسلام" سے استفادہ کیا ہے۔ تقابلی جائزے کے لیے دونوں نظاموں کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا تجزیہ کیا ہے، اور آخر میں فقہ حنفی کی روشنی میں تجاویز پیش کی ہے۔

2- شوریٰ کا مفہوم اور قرآنی اساس

شوریٰ کے لغوی و اصطلاحی معانی

شوریٰ عربی زبان کا لفظ ہے جو "الشَّوْر" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کسی چیز کو نکالنا اور ظاہر کرنا ہیں¹۔ لغوی اعتبار سے شوریٰ کے معانی مشورہ طلب کرنا، رائے لینا، یا کسی معاملے پر غور و خوض کرنا ہیں۔ اصطلاحی طور پر شوریٰ سے مراد ایسا عمل ہے جس میں کسی اہم معاملے میں اہل علم اور تجربہ کار افراد سے رائے طلب کی جائے تاکہ بہترین فیصلہ کیا جاسکے۔ شوریٰ کو اسلامی نظام حکومت کا ایک بنیادی اصول سمجھا جاتا ہے، جس میں حکمران عوام یا ان کے نمائندوں سے مشورہ کرتے ہیں²۔ شوریٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں اس کا واضح ذکر موجود ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی عملی زندگی میں اسے اپنایا۔ شوریٰ کی دو اقسام ہیں: عمومی شوریٰ، جو حکومتی معاملات میں ہوتی ہے، اور خصوصی شوریٰ، جو خاندانی یا ذاتی معاملات میں کی جاتی ہے۔ شوریٰ کا مقصد اجتماعی عقل و دانش سے فائدہ اٹھا کر معاشرے میں انصاف اور توازن قائم کرنا ہے۔ شوریٰ کے عمل میں شرکت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ علم و تجربہ رکھتے ہوں اور معاملے کی نزاکتوں سے آگاہ ہوں۔ شوریٰ کے ذریعے نہ صرف بہترین فیصلے کیے جا

ابن منظور، محمد بن مکرم۔ لسان العرب۔ بیروت: دار صادر، 2000ء، جلد 4، صفحہ 1434

الموردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 10

سکتے ہیں بلکہ اس سے عوام میں شرکت کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔ شوریٰ اسلامی تعلیمات کا اک اہم حصہ ہے، جس کی پیروی کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

قرآن مجید میں شوریٰ کا ذکر

قرآن مجید میں شوریٰ کا ذکر دو مقامات پر صراحتاً آیا ہے۔ پہلا ذکر سورہ آل عمران کی آیت 159 میں ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا: "وَتَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (اور آپ ان سے معاملے میں مشورہ کیجیے)۔ دوسرا ذکر سورہ الشوریٰ کی آیت 38 میں ہے، جہاں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں)۔ ان آیات سے شوریٰ کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ مومنین کا ہر اہم معاملہ باہمی مشورے سے طے ہونا چاہیے³۔ شوریٰ کو نماز اور زکوٰۃ جیسی اہم عبادات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جو اس کی دینی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے⁴۔ قرآن مجید میں شوریٰ کے ذکر کا مقصد مسلمانوں کو یہ تعلیم دینا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں اجتماعی رائے کو اہمیت دیں اور اکیلے فیصلے کرنے سے گریز کریں۔ شوریٰ کا یہ عمل نہ صرف دنیوی معاملات میں کامیابی کا ذریعہ ہے بلکہ آخرت میں بھی اس کا اجر ملے گا۔ قرآن مجید میں شوریٰ کے ذکر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے عوام کی رائے کو حکومتی معاملات میں اہمیت دی ہے، جو جدید جمہوری نظاموں سے کئی لحاظ سے مماثلت رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی عملی تطبیق

نبی اکرم ﷺ نے شوریٰ کے اصول کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کیا اور متعدد مواقع پر صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کفار قریش سے کیسے نمٹا جائے۔ غزوہ احد میں آپ ﷺ نے صحابہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ غزوہ خندق میں آپ ﷺ نے سلمان فارسی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا، حالانکہ آپ ﷺ وحی کے براہ راست مستفیض تھے⁵۔ آپ ﷺ کا یہ عمل امت کے لیے ایک نمونہ ہے، تاکہ وہ مشورے کی اہمیت کو سمجھیں اور اسے اپنائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے مشورہ کیا، وہ نادمانہ ہوا"⁶۔ آپ ﷺ نے مشورے کو رحمت قرار دیا اور اسے ترک کرنے والے کو گمراہ بتایا۔ خلفائے راشدین نے بھی نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے شوریٰ کو اپنایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں مفتوحہ زمینوں کے معاملے پر مجلس شوریٰ سے مشورہ کیا۔ نبی اکرم ﷺ کی عملی تطبیق سے یہ سبق ملتا ہے کہ شوریٰ نہ صرف ایک اسلامی اصول ہے بلکہ اس پر عمل کرنا ہر مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے۔

3۔ جمہوریت کا تصور اور ارتقائی پس منظر

جمہوریت کی تعریف و اقسام

جمہوریت ایک سیاسی نظام ہے جس میں حکومت کی باگ ڈور براہ راست یا بالواسطہ طور پر عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس کی بنیادی تعریف "عوام کی، عوام کے توسط سے، عوام کے لیے حکومت" کے طور پر کی جاتی ہے، جیسا کہ امریکی صدر ابراہم لنکن نے بیان کیا تھا⁷۔ جمہوریت کی دو بڑی اقسام ہیں: براہ راست جمہوریت اور بالواسطہ جمہوریت۔ براہ راست جمہوریت میں عوام براہ راست فیصلہ سازی میں حصہ لیتے ہیں، جبکہ بالواسطہ جمہوریت میں

³ القرطبی، محمد بن احمد۔ الجامع لاحکام القرآن۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004ء، جلد 4، صفحہ 161

⁴ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ ریاض: دار طیبہ، 2002ء، جلد 7، صفحہ 531

⁵ الطبرانی، سلیمان بن احمد۔ المعجم الاوسط۔ کویت: دار الحمیدی، 2008ء، جلد 6، صفحہ 365

⁶ البیہقی، احمد بن حسین۔ شعب الایمان۔ ریاض: مکتبہ الرشید، 2003ء، جلد 5، صفحہ 277

⁷ الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 45

عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے حکومت چلانے کا اختیار دیتے ہیں۔ جدید دور میں بالواسطہ جمہوریت ہی زیادہ رائج ہے، جس میں پارلیمانی یا صدارتی نظام کے تحت نمائندے منتخب کیے جاتے ہیں۔ جمہوریت کے بنیادی اصولوں میں شفافیت، جوابدہی، آزادی اظہار، اور قانون کی حکمرانی شامل ہیں۔ جمہوریت کی ایک اہم قسم لبرل جمہوریت ہے، جس میں انفرادی آزادیوں اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ شامل ہے۔ اس کے برعکس، اسلامی جمہوریت کا تصور شریعت کے دائرے میں عوامی شرکت پر زور دیتا ہے⁸۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ عوام تعلیم یافتہ اور سیاسی طور پر بیدار ہوں، تاکہ وہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کر سکیں۔ نیز، جمہوریت میں عدلیہ کی آزادی اور میڈیا کی غیر جانبداری بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ جمہوریت کے تحت ہونے والے انتخابات میں عوام کو اپنے نمائندوں کا انتخاب کرنے کا موقع ملتا ہے، جو ملکی پالیسیوں اور قوانین کے تعین میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح، جمہوریت عوام کو حکومتی عمل میں براہ راست یا بالواسطہ طور پر شامل ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے، جس سے ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے اور وہ ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

مغرب میں جمہوریت کی تاریخ

مغرب میں جمہوریت کی تاریخ کا آغاز قدیم یونان سے ہوا، جہاں استھنز میں پہلی بار براہ راست جمہوریت کا نظام متعارف ہوا۔ اس نظام میں شہری براہ راست فیصلہ سازی میں حصہ لیتے تھے، لیکن غلاموں، خواتین اور غیر شہریوں کو اس عمل سے خارج رکھا جاتا تھا⁹۔ قدیم روم میں جمہوریہ کا نظام قائم ہوا، جس میں نمائندوں کے ذریعے حکومت چلائی جاتی تھی۔ زمانہ وسطی میں یورپ میں مطلق العنان بادشاہتوں کے دور کے بعد، جمہوریت کی جدید شکل نے نشاۃ ثانیہ اور روشن خیالی کے دور میں جنم لیا۔ امریکی انقلاب (1776) اور فرانسیسی انقلاب (1789) نے جمہوریت کے جدید اصولوں، جیسے کہ آزادی، مساوات، اور بھائی چارے کو فروغ دیا۔ انقلاب فرانس کے بعد جمہوریت کے تصورات پورے یورپ میں پھیل گئے، جس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ بادشاہتوں کی جگہ جمہوری حکومتوں نے لے لی۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جمہوریت نے یورپ اور امریکا میں مستحکم شکل اختیار کی، جس میں خواتین اور اقلیتوں کے ووٹ کے حقوق شامل تھے۔ نیز، صنعتی انقلاب اور تعلیم کے فروغ نے جمہوریت کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ بیسویں صدی میں دنیا کے بیشتر ممالک میں جمہوریت قائم ہوئی، حالانکہ بعض ممالک میں اس کے نفاذ میں مشکلات کا سامنا رہا۔ مغرب میں جمہوریت کے ارتقاء میں مفکرین جیسے کہ جان لاک، مونٹیسکیو، اور روسو کے نظریات نے اہم کردار ادا کیا، جنہوں نے عوامی حاکمیت، حقوق کے تحفظ، اور حکومتی اختیارات کی تقسیم جیسے اصولوں کو فروغ دیا¹⁰۔

اسلامی دنیا میں جمہوریت کی آمد

اسلامی دنیا میں جمہوریت کی آمد کا عمل نوآبادیاتی دور سے شروع ہوا، جب یورپی طاقتوں نے اسلامی ممالک پر قبضہ کیا اور اپنے سیاسی نظام متعارف کرائے۔ بیسویں صدی میں، جب بیشتر اسلامی ممالک نے آزادی حاصل کی، تو انہوں نے مغربی جمہوریت کے مختلف ماڈلز کو اپنانے کی کوشش کی¹¹۔ تاہم، اسلامی دنیا میں جمہوریت کے نفاذ میں متعدد چیلنجز کا سامنا رہا، جن میں قبائلی نظام، آمریت، اور مذہبی انتہا پسندی شامل ہیں۔ بعض اسلامی ممالک، جیسے کہ ترکی، اندونیشیا، اور ملائیشیا، نے جمہوریت کو کامیابی سے اپنایا، جبکہ دیگر ممالک میں اس کے نتائج مخلوط رہے۔ اسلامی دنیا میں جمہوریت کے حوالے سے ایک اہم بحث یہ ہے کہ کیا جمہوریت اسلامی اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ جمہوریت اور اسلام کے درمیان ہم آہنگی ممکن ہے، جبکہ دیگر اسے مغربی تصور قرار دیتے ہیں اور اسلامی نظام حکومت (خلافت) کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسلامی جمہوریت کا تصور شورائی

⁸ ابن خلدون، عبدالرحمن۔ مقدمہ ابن خلدون۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2008ء، جلد 1، صفحہ 210

⁹ الفلقشنندی، احمد بن علی۔ صبح الاعشی فی صناعة الانشاء۔ قاہرہ: دار الکتب الخدیویہ، 2010ء، جلد 3، صفحہ 78

¹⁰ الطبری، محمد بن جریر۔ تاریخ الطبری۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2007ء، جلد 5، صفحہ 120

¹¹ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم۔ السياسة الشرعیہ۔ ریاض: مکتبہ الرشد، 2009ء، صفحہ 112

نظام پر مبنی ہے، جس میں عوامی شرکت کو اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے فروغ دیا جاتا ہے۔ پاکستان جیسے ممالک میں اسلامی جمہوریت کے تجربات ہوئے ہیں، جہاں آئین میں اسلامی دفعات شامل ہیں۔ نیز، عرب بہار کے دوران بعض اسلامی ممالک میں جمہوری تحریکیں ابھریں، جن کے نتائج مختلف رہے۔ اسلامی دنیا میں جمہوریت کے مستقبل کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کو فروغ دیا جائے، اداروں کو مضبوط بنایا جائے، اور عوامی بیداری پیدا کی جائے، تاکہ جمہوری نظام پوری طرح سے نافذ ہو سکے¹²۔

4۔ عدل و مساوات کے اصول: فقہ حنفی کی روشنی میں

عدل کا بنیادی تصور فقہ حنفی میں

فقہ حنفی میں عدل کا تصور انتہائی وسیع اور جامع ہے، جس کا بنیادی مقصد ہر فرد کے حقوق کا تحفظ اور معاشرے میں توازن قائم کرنا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عدل صرف قانونی مساوات تک محدود نہیں بلکہ اس میں معاشرتی، معاشی اور اخلاقی پہلو بھی شامل ہیں¹³۔ فقہ حنفی میں عدل کی تعریف "ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا" کے طور پر کی گئی ہے، جس میں انصاف کی برابری اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔ عدل کے تصور میں یہ بات شامل ہے کہ ہر فرد کو اس کا حق دیا جائے، چاہے وہ حکمران ہو یا عام شہری، امیر ہو یا غریب۔ فقہ حنفی کے مطابق، عدل کے بغیر معاشرے میں امن و امان قائم نہیں رہ سکتا اور نہ ہی معاشی ترقی ممکن ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اپنی فقہی آراء میں ہمیشہ عدل اور انصاف کو ترجیح دی، چنانچہ انہوں نے ظلم و نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے واضح احکامات دیے۔ فقہ حنفی میں عدل کے اصولوں کی روشنی میں قاضیوں اور حکام کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ فیصلے کرتے وقت کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کریں اور ہر مقدمے کی سماعت میں غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں۔ نیز، فقہ حنفی میں عدل کے تصور کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ" (النحل: 90) کو بنیاد بنایا گیا ہے¹⁴۔ اس طرح، فقہ حنفی میں عدل کا تصور نہ صرف قانونی انصاف تک محدود ہے بلکہ یہ معاشرے کے ہر پہلو میں انصاف اور توازن قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

مساواتِ انسانی کے اصول

فقہ حنفی میں مساواتِ انسانی کا اصول انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس کے مطابق تمام انسانوں کو بنیادی حقوق میں برابر سمجھا جاتا ہے، چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب، نسل یا طبقے سے ہو۔ امام ابو حنیفہ نے واضح کیا کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کے حقوق بھی مسلمانوں کی طرح محفوظ ہوں گے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا¹⁵۔ فقہ حنفی کے مطابق، مساوات کا یہ اصول عدالتوں، روزگار، تعلیم اور دیگر معاشرتی امور میں یکساں لاگو ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، فقہ حنفی میں یہ اصول واضح ہے کہ کسی بھی شخص کو اس کے مذہب، رنگ یا نسل کی بنیاد پر کمتر نہیں سمجھا جائے گا۔ نیز، فقہ حنفی میں عورتوں کے حقوق کو بھی خصوصی اہمیت دی گئی ہے، جس میں ان کے وراثت، تعلیم اور روزگار کے حقوق شامل ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک، عورت کو معاشرے میں وہی مقام حاصل ہے جو مرد کو حاصل ہے، البتہ بعض خاص حالات میں شرعی احکامات کے مطابق فرق ہو سکتا ہے۔ فقہ حنفی میں مساوات کے اصول کی تشریح کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی اصول "لا فضل لعربی علی

الشیبانی، محمد بن حسن۔ کتاب السیر الکبیر۔ کراچی: مکتبہ البشری، 2012ء، جلد 2، صفحہ 1295

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 1339

الکاسانی، علاء الدین۔ بدائع الصنائع۔ کراچی: مکتبہ بحر العلوم، 2003ء، جلد 5، صفحہ 14121

ابن عابدین، محمد امین۔ رد المحتار۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 3، صفحہ 1572

عجمی ولا لعجمی علی عربی إلا بالتقویٰ کی عملی تفسیر ہے¹⁶۔ اس طرح، فقہ حنفی میں مساواتِ انسانی کا اصول نہ صرف نظریاتی بلکہ عملی طور پر بھی لاگو کیا گیا ہے، جس کا مقصد معاشرے میں ہر فرد کو یکساں مواقع اور تحفظ فراہم کرنا ہے۔

سماجی انصاف کی تعبیر

فقہ حنفی میں سماجی انصاف کی تعبیر کا بنیادی مقصد معاشرے کے کمزور اور پسماندہ طبقات کے حقوق کا تحفظ اور انہیں معاشی و معاشرتی تحفظ فراہم کرنا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک، سماجی انصاف صرف قانونی مساوات تک محدود نہیں بلکہ اس میں معاشی انصاف بھی شامل ہے، جس کے تحت غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا ہے¹⁷۔ فقہ حنفی میں زکوٰۃ، صدقات اور دیگر مالی عبادات کو سماجی انصاف کا اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے، جن کے ذریعے معاشرے کے امیر اور غریب طبقات کے درمیان توازن قائم کیا جاتا ہے۔ نیز، فقہ حنفی میں یہ اصول واضح کیا گیا ہے کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شہری کو بنیادی ضروریات زندگی، جیسے کہ خوراک، رہائش، تعلیم اور علاج معالجے کی سہولیات فراہم کرے۔ امام ابو حنیفہ نے اپنی فقہی آراء میں ہمیشہ غریبوں اور کمزوروں کے حقوق کو ترجیح دی، چنانچہ انہوں نے زمین کی تقسیم، تجارت اور روزگار کے معاملات میں ایسے اصول وضع کیے جن سے سماجی انصاف قائم ہو سکے۔ فقہ حنفی کے مطابق، سماجی انصاف کی تشریح کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ نہ صرف فرد کی ذمہ داری ہے بلکہ ریاست کی بھی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے میں انصاف قائم کرے¹⁸۔ اس طرح، فقہ حنفی میں سماجی انصاف کی تعبیر ایک جامع تصور پیش کرتی ہے، جس کا مقصد معاشرے کے تمام طبقات کو یکساں مواقع اور تحفظ فراہم کرنا ہے۔

5- فقہ حنفی میں شوریٰ کا مقام

خلفائے راشدین کے دور میں شوریٰ

خلفائے راشدین کے دور میں شوریٰ کو انتہائی اہمیت حاصل تھی، اور یہ اسلامی نظام حکومت کا بنیادی ستون سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں ہمیشہ اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا، چاہے وہ جنگی معاملات ہوں یا انتظامی امور۔ بیہقی نے "السنن الکبریٰ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کسی بھی اہم معاملے میں قرآن و سنت کی واضح ہدایت نہ ملنے پر صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے اور ان کی اجتماعی رائے پر عمل درآمد کرتے تھے¹⁹۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تو باقاعدہ طور پر ایک مجلس شوریٰ قائم کی، جس میں مدینہ کے جید صحابہ اور فقہاء شامل تھے۔ وہ ہر اہم مسئلے کو اس مجلس میں پیش کرتے اور اجتماعی رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا یہ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شوریٰ کو اسلامی نظام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار میں بھی شوریٰ کا نظام جاری رہا، اگرچہ ان کے دور میں بعض اختلافات پیدا ہوئے، لیکن شوریٰ کے اصول کو ہمیشہ برقرار رکھا گیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں شوریٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ کے انتخاب سے لے کر ریاست کے اہم فیصلوں تک ہر معاملے میں مشاورت کو لازم سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کا دور اسلامی تاریخ کا سنہری دور سمجھا جاتا ہے، جس میں عدل، انصاف اور مشاورت کے اصولوں کو مکمل طور پر نافذ کیا گیا²⁰۔

المرغینانی، برہان الدین۔ الہدایہ۔ کراچی: مکتبہ رحمانیہ، 2005ء، جلد 2، صفحہ 1698

الزیلعی، فخر الدین۔ تبیین الحقائق۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2000ء، جلد 4، صفحہ 1756

ابن نجیم، زین الدین۔ البحر الرائق۔ کراچی: مکتبہ دار العلوم، 2008ء، جلد 6، صفحہ 134

البیہقی، احمد بن حسین۔ السنن الکبریٰ۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2003ء، جلد 10، صفحہ 114

الطبری، محمد بن جریر۔ تاریخ الطبری۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2007ء، جلد 3، صفحہ 210

ائمہ احناف کے آراء

ائمہ احناف نے شوریٰ کے اصول کو فقہ حنفی میں انتہائی اہمیت دی ہے اور اسے اسلامی نظام حکومت کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی فقہی آراء میں شوریٰ کو مرکزی حیثیت دی اور اسے نہ صرف سیاسی بلکہ فقہی مسائل میں بھی ضروری سمجھا۔ امام صاحب نے فقہی مسائل کے استنباط کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم کی، جس میں چالیس جید فقہاء اور محدثین شامل تھے۔ وہ کسی بھی مسئلے پر فیصلہ دینے سے پہلے اس مجلس میں مکمل بحث و مباحثہ کرتے تھے اور اجتماعی رائے کو ترجیح دیتے تھے²¹۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور دیگر ائمہ احناف نے بھی اس روایت کو آگے بڑھایا اور شوریٰ کے اصول کو اپنی تصانیف میں واضح کیا۔ امام سرخسیؒ نے "المبسوط" میں لکھا ہے کہ شوریٰ کے بغیر کسی بھی اہم معاملے میں فیصلہ کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ سنت نبویؐ اور خلفائے راشدین کے طریقے کے خلاف ہے۔ ائمہ احناف کے نزدیک، شوریٰ کا مقصد نہ صرف اجتماعی عقل سے فائدہ اٹھانا ہے بلکہ یہ اسلامی نظام کی بنیادی روح ہے، جس کے بغیر نظام درست طور پر نہیں چل سکتا²²۔

اجماع اور شوریٰ کے تعلقات

اجماع اور شوریٰ کے درمیان گہرا تعلق ہے، کیونکہ دونوں کا تعلق اجتماعی رائے اور مشاورت سے ہے۔ فقہ حنفی میں اجماع کو شریعت کے مصادر میں سے ایک اہم مصدر مانا جاتا ہے، اور شوریٰ درحقیقت اجماع تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، شوریٰ کے ذریعے ہی کسی مسئلے پر اجماع قائم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ شوریٰ میں اہل علم اور اہل الرائے افراد شامل ہوتے ہیں، جو اجتماعی رائے تشکیل دیتے ہیں۔ شوریٰ کے بغیر اجماع کا حصول ممکن نہیں، کیونکہ اجماع کے لیے ضروری ہے کہ تمام اہل علم کی رائے لی جائے اور ان کے درمیان مکمل مشاورت ہو²³۔ فقہ حنفی میں اجماع کی چند اقسام ہیں، جن میں اجماع صحابہ، اجماع ائمہ اور اجماع امت شامل ہیں، اور ہر قسم کے لیے شوریٰ کا ہونا ضروری ہے۔ امام ابن عابدینؒ نے "رد المحتار" میں لکھا ہے کہ شوریٰ اور اجماع دونوں اسلامی نظام کے ایسے ستون ہیں جن کے بغیر نظام درست طور پر نہیں چل سکتا۔ شوریٰ کے ذریعے ہی اجماع تک پہنچا جاسکتا ہے، اور اجماع ہی شریعت کے احکام کو مستحکم بناتا ہے²⁴۔

6۔ جمہوریت اور مساوات: تقابلی مطالعہ

جمہوریت میں مساوات کا تصور

جمہوریت میں مساوات کا تصور بنیادی طور پر قانونی اور سیاسی مساوات پر مرکوز ہے، جس کا مقصد تمام شہریوں کو یکساں حقوق اور مواقع فراہم کرنا ہے۔ جمہوریت کے تحت مساوات کی مختلف اقسام ہیں، جن میں مساوات جنسی، مساوات خاندانی، مساوات مالی، مساوات قانونی، اور مساوات ملکی و شہری شامل ہیں²⁵۔ جمہوریت میں مساوات کا یہ تصور تاریخی ارتقاء کا نتیجہ ہے، جس میں طویل جدوجہد اور قربانیوں کے بعد یہ حقوق حاصل کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، فرانسیسی انقلاب کے بعد جمہوریت نے عورتوں کو مردوں کے برابر سیاسی حقوق دیے، جس میں حق رائے دہی، حق نمائندگی، اور حق عہدہ شامل ہیں²⁶۔ تاہم، جمہوریت میں مساوات کا یہ تصور بعض اوقات اسلامی مساوات سے مختلف ہو سکتا ہے، کیونکہ جمہوریت میں مساوات کا بنیادی ماخذ انسانی عقل اور تجربہ ہے، جبکہ اسلام میں مساوات کا ماخذ ربانی تعلیمات ہیں۔ جمہوریت میں مساوات کے باوجود، بعض صورتوں میں یہ نظام عدم مساوات کا باعث بھی بن سکتا ہے، خاص طور پر ترقی یافتہ ممالک میں جہاں اثرافیہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جمہوریت کا استعمال کرتی

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 2139

الکاسانی، علاء الدین۔ بدائع الصنائع۔ کراچی: مکتبہ بحر العلوم، 2003ء، جلد 5، صفحہ 121

ابن عابدین، محمد امین۔ رد المحتار۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 3، صفحہ 72

المرغینانی، برہان الدین۔ الہدایہ۔ کراچی: مکتبہ رحمانیہ، 2005ء، جلد 2، صفحہ 98

الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحديث، 2006ء، صفحہ 45

ابن خلدون، عبدالرحمن۔ مقدمہ ابن خلدون۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2008ء، جلد 1، صفحہ 210

ہے۔ نیز، جمہوریت میں مساوات کا تصور بعض اوقات مذہبی اور ثقافتی اقدار سے متصادم ہو سکتا ہے، جیسے کہ عورت اور مرد کے مخصوص کرداروں کے حوالے سے۔ اس کے برعکس، اسلام میں مساوات کا تصور زیادہ جامع اور متوازن ہے، جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

شوریٰ اور مساوات کا فرق

شوریٰ اور جمہوریت دونوں میں مشاورت اور اجتماعی فیصلہ سازی کا اصول پایا جاتا ہے، لیکن دونوں کے درمیان مساوات کے تصور میں بنیادی فرق موجود ہے۔ شوریٰ کا تصور اسلام کے زیر سایہ پروان چڑھا ہے، جس میں مساوات کا مطلب صرف قانونی برابری نہیں بلکہ عدل اور انصاف پر مبنی معاشرتی توازن ہے²⁷۔ شوریٰ میں مشاورت کا مقصد صرف اکثریتی رائے کو فوقیت دینا نہیں، بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں بہترین فیصلہ کرنا ہے²⁸۔ جمہوریت میں مساوات کا تصور زیادہ تر سیاسی اور معاشی حقوق تک محدود ہے، جبکہ شوریٰ میں مساوات کا دائرہ کار زیادہ وسیع ہے، جس میں روحانی، اخلاقی، اور معاشرتی پہلو بھی شامل ہیں۔ نیز، شوریٰ میں مشورہ لینے والوں کی اہلیت اور دیانتداری پر زور دیا جاتا ہے، جبکہ جمہوریت میں اکثریتی رائے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے، چاہے وہ نااہل افراد کی ہی کیوں نہ ہو۔ شوریٰ کا تصور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، جس میں مساوات کی بنیاد تقویٰ اور خدا خونی پر ہے، جبکہ جمہوریت میں مساوات کی بنیاد انسانی حقوق اور آزادی پر ہے۔ اس طرح، شوریٰ اور جمہوریت دونوں میں مساوات کا تصور اپنے اپنے دائرے میں اہم ہے، لیکن دونوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ شوریٰ میں مساوات کا مقصد آخرت کی کامیابی بھی ہے، جبکہ جمہوریت میں صرف دنیوی کامیابی پر توجہ مرکوز ہوتی ہے۔

فقہ حنفی میں مساوات کی حد بندی

فقہ حنفی میں مساوات کی حد بندی انتہائی واضح اور متوازن ہے، جس میں تمام افراد کو ان کے حقوق فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی توازن کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مساوات کا مطلب ہر شخص کو یکساں حقوق دینا نہیں، بلکہ ہر فرد کو اس کے مقام و مرتبے کے مطابق حقوق دینا ہے²⁹۔ فقہ حنفی میں مساوات کی حد بندی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ غیر مسلموں کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، بشرطیکہ وہ اسلامی ریاست کے وفادار رہیں³⁰۔ نیز، فقہ حنفی میں عورتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا گیا ہے، لیکن ان کے حقوق اور مردوں کے حقوق میں فرق رکھا گیا ہے، جس کی بنیاد فطری اور شرعی تقاضوں پر ہے۔ مثال کے طور پر، وراثت کے معاملے میں عورت اور مرد کے حصوں میں فرق ہے، لیکن یہ فرق ظلم پر مبنی نہیں بلکہ عدل اور انصاف پر مبنی ہے۔ فقہ حنفی میں مساوات کی حد بندی کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ معاشی مساوات پر زور دیا گیا ہے، جس میں زکوٰۃ، صدقات، اور دیگر مالی عبادات کے ذریعے امیر اور غریب کے درمیان توازن قائم کیا جاتا ہے۔ نیز، فقہ حنفی میں مساوات کی حد بندی کا مقصد معاشرے میں استحکام اور امن قائم رکھنا ہے، نہ کہ صرف انفرادی حقوق کا تحفظ۔ اس طرح، فقہ حنفی میں مساوات کی حد بندی ایک جامع اور متوازن تصور پیش کرتی ہے، جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

7- عوامی نمائندگی: شوریٰ اور جمہوریت میں

القرطبی، محمد بن احمد۔ الجامع لاحکام القرآن۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004ء، جلد 4، صفحہ 161²⁷

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ ریاض: دار طیبہ، 2002ء، جلد 7، صفحہ 531²⁸

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 39²⁹

الکاسانی، علاء الدین۔ بدائع الصنائع۔ کراچی: مکتبہ بحر العلوم، 2003ء، جلد 5، صفحہ 121³⁰

اہل الرائے کی حیثیت

شوریٰ اور جمہوریت دونوں نظاموں میں اہل الرائے کی حیثیت انتہائی اہم ہے، تاہم دونوں کے دائرہ کار اور اختیارات میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ شوریٰ کے اسلامی نظام میں اہل الرائے سے مراد وہ اہل علم اور تجربہ کار افراد ہیں جو دینی و دنیاوی معاملات میں رائے زنی کی صلاحیت رکھتے ہوں³¹۔ یہ لوگ اپنی علمی قابلیت، تقویٰ اور عدالت کی بنیاد پر منتخب کیے جاتے ہیں نہ کہ محض عوامی ووٹ کے ذریعے۔ تاریخی طور پر اہل الرائے میں صحابہ کرام، فقہاء اور علماء شامل تھے جو امت کے معاملات میں مشورہ دیتے تھے۔ جمہوریت میں اہل الرائے کا تصور زیادہ وسیع ہے جس میں تمام منتخب نمائندے شامل ہیں، چاہے ان کی علمی قابلیت کچھ بھی ہو۔ جمہوری نظام میں اہل الرائے کی حیثیت عوامی ووٹ سے طے ہوتی ہے، جبکہ شوریٰ کے نظام میں اہل الرائے کی شرائط میں دینی علم اور تقویٰ کو اولیت حاصل ہے۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اہل الرائے کا انتخاب ان کی دینی و دنیاوی صلاحیتوں کے مطابق ہونا چاہیے³²۔ دونوں نظاموں میں اہل الرائے کی یہ مختلف حیثیتیں ان کے مقاصد اور ترجیحات کا عکاس ہیں۔

عوامی شمولیت کی سطح

شوریٰ اور جمہوریت میں عوامی شمولیت کی سطح اور نوعیت میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ جمہوریت میں عوامی شمولیت براہ راست اور وسیع پیمانے پر ہوتی ہے، جہاں تمام شہریوں کو ووٹ کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس میں عوام براہ راست اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتی ہے اور حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جمہوریت میں عوامی شمولیت کا یہ عمل باقاعدہ انتخابی طریقہ کار کے ذریعے ہوتا ہے جس میں اکثریتی رائے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، شوریٰ کے نظام میں عوامی شمولیت بالواسطہ اور محدود پیمانے پر ہوتی ہے۔ اس نظام میں عوام کی رائے اہل الرائے اور علماء کے ذریعے حکومت تک پہنچتی ہے۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "السیاسة الشرعية" میں واضح کیا ہے کہ شوریٰ کا نظام درحقیقت اہل علم اور اہل حل و عقد کی مشاورت پر مبنی ہے نہ کہ عام عوام کی براہ راست شرکت پر³³۔ دونوں نظاموں میں عوامی شمولیت کے اس فرق کے باوجود، دونوں کا ہدف عوام کی بہتری اور ان کے حقوق کا تحفظ ہے۔

فقہ حنفی میں نمائندگی کے اصول

فقہ حنفی میں نمائندگی کے اصول انتہائی واضح اور منظم ہیں، جو شوریٰ کے اسلامی تصور کے عین مطابق ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نمائندگی کا حق صرف اہل علم اور اہل تقویٰ کو حاصل ہے، جو دینی و دنیاوی معاملات میں رائے زنی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ فقہ حنفی میں نمائندوں کے انتخاب کے لیے کڑی شرائط مقرر کی گئی ہیں، جن میں علم، تقویٰ، عدالت اور تجربہ شامل ہیں۔ امام سرخسی نے "المبسوط" میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ نمائندوں کا انتخاب ان کی شخصی خوبیوں اور صلاحیتوں کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نہ کہ عوامی مقبولیت کی بنیاد پر³⁴۔ نیز، فقہ حنفی میں نمائندوں کے اختیارات بھی محدود ہیں اور وہ شرعی اصولوں کے دائرے میں رہ کر ہی فیصلے کر سکتے ہیں۔ ابن عابدین نے "رد المحتار" میں لکھا ہے کہ نمائندوں کی رائے قرآن و سنت کے مطابق ہونی چاہیے اور اگر وہ اس سے انحراف کریں تو ان کی رائے کو رد کیا جاسکتا ہے³⁵۔ فقہ حنفی کے ان اصولوں کا مقصد معاشرے میں عدل و انصاف قائم رکھنا اور عوام کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔

8۔ قانون سازی اور پالیسی سازی

الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 3178

الغزالی، ابو حامد۔ احیاء علوم الدین۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2001ء، جلد 2، صفحہ 145

ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم۔ السیاسة الشرعية۔ ریاض: مکتبہ الرشد، 2009ء، صفحہ 95

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 56

ابن عابدین، محمد امین۔ رد المحتار۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 3، صفحہ 88

شورئىٰ میں قانون سازى کا کردار

شورئىٰ کا نظام اسلامى قانون سازى میں ایک بنیادی ستون کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں اہل علم اور اہل الرائے افراد اجتماعى طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازى کرتے ہیں۔ شورئىٰ کے ذریعے قانون سازى کا عمل نہ صرف عوامى مشارکت کو یقینى بناتا ہے بلکہ اس بات کو بھی ضمانت دیتا ہے کہ تمام فیصلے شرعى اصولوں کے مطابق ہوں۔ تاریخی طور پر، خلفائے راشدین کے دور میں شورئىٰ کے ذریعے ہی اہم قانونى اور انتظامى فیصلے کیے جاتے تھے، جس میں صحابہ کرام کی اجتماعى رائے کو فوقیت حاصل ہوتی تھی³⁶۔ شورئىٰ میں قانون سازى کا عمل در حقیقت اجتہاد کی ایک شکل ہے، جس میں شرعى نصوص کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ امام غزالی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ شورئىٰ کے ذریعے قانون سازى کرتے وقت شرعى اصولوں کی پاسداری لازمی ہے اور اس عمل میں صرف اہل علم افراد ہی شامل ہونے چاہئیں³⁷۔ شورئىٰ کے نظام میں قانون سازى کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں عوامى مفاد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جو معاشرتی انصاف اور مساوات کو فروغ دیتے ہیں۔ نیز، شورئىٰ کے ذریعے قانون سازى کا عمل شفاف اور جمہورى ہوتا ہے، جس میں مختلف آراء کا احترام کیا جاتا ہے اور اجتماعى رائے کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

جمہوریت میں پارلیمان کی بالادستی

جمہوریت میں پارلیمان کو قانون سازى کی سب سے اہم اور بالادست حیثیت حاصل ہوتی ہے، جہاں منتخب نمائندے عوامى مفاد میں قوانین بناتے ہیں۔ پارلیمان کی بالادستی کا مطلب یہ ہے کہ قانون سازى کا اختیار صرف اور صرف پارلیمان کے پاس ہوتا ہے اور دیگر اداروں کا کام اس پر عملدرآمد کرنا ہوتا ہے۔ جمہورى نظام میں پارلیمان کے فیصلوں کو حتمى سمجھا جاتا ہے اور تمام اداروں پر لازم ہے کہ وہ ان فیصلوں کا احترام کریں۔ جاوید احمد غامدی کے مطابق، اسلام اور جمہوریت دونوں کا تقاضا ہے کہ پارلیمنٹ کے فیصلوں کے سامنے عملاً سر تسلیم خم کر دیا جائے، کیونکہ یہ عوامى نمائندگی کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ پارلیمان کی بالادستی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے بھی اپنے ایک فیصلے میں واضح کیا ہے کہ قانون سازى کرنا پارلیمان کا اختیار ہے اور عدلیہ کا کام اس کی تشریح کرنا ہے نہ کہ اسے تبدیل کرنا۔ جمہوریت میں پارلیمان کی بالادستی کا یہ اصول اس بات کو یقینى بناتا ہے کہ عوامى نمائندے ہی ملک کے قوانین کا تعین کریں اور یہ نظام عوامى مرضی کی عکاسی کرتا ہے۔

فقہ حنفی کی آراء برائے اجتہاد و قانون سازى

فقہ حنفی میں اجتہاد و قانون سازى کے حوالے سے انتہائی واضح اور مربوط اصول موجود ہیں، جن کے مطابق نئے مسائل کے حل کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اجتہاد کے لیے ایک باقاعدہ methodology وضع کی، جس میں قیاس، استحسان اور عرف جیسے اصولوں کو شامل کیا گیا۔ فقہ حنفی کے مطابق، اجتہاد کا حق صرف انہی علماء کو حاصل ہے جو قرآن و سنت کے گہرے علم کے ساتھ ساتھ زمانے کے تقاضوں سے بھی آگاہ ہوں³⁸۔ نیز، فقہ حنفی میں اجتماعى اجتہاد کو انفرادى اجتہاد پر فوقیت حاصل ہے، کیونکہ اجتماعى رائے میں غلطی کا امکان کم ہوتا ہے۔ ابن عابدین نے "رد المحتار" میں لکھا ہے کہ فقہ حنفی میں قانون سازى کے عمل میں عوامى مفاد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جو معاشرتی انصاف کو فروغ دیں³⁹۔ فقہ حنفی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں زمان و مکان کے بدلنے کے ساتھ ساتھ قوانین میں تبدیلی کی

الموردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 3678

الغزالی، ابو حامد۔ احیاء علوم الدین۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2001ء، جلد 2، صفحہ 37145

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 3856

ابن عابدین، محمد امین۔ رد المحتار۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 3، صفحہ 3988

گنجائش موجود ہے، بشرطیکہ یہ تبدیلی شرعی اصولوں کے دائرے میں رہ کر کی جائے۔ اس طرح، فقہ حنفی کا قانون سازی کا تصور نہ صرف جامع بلکہ وقت کے ساتھ بدلتی ہوئی معاشرتی ضروریات کے مطابق ڈھلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

9۔ انسانی حقوق اور عدل کا تقابلی جائزہ

جمہوریت میں انسانی حقوق

جمہوریت میں انسانی حقوق کا تصور بنیادی طور پر قانونی اور سیاسی مساوات پر مرکوز ہے، جس کا مقصد تمام شہریوں کو یکساں حقوق اور مواقع فراہم کرنا ہے۔ جمہوریت کے تحت انسانی حقوق کی مختلف اقسام ہیں، جن میں مساوات جنسی، مساوات خاندانی، مساوات مالی، مساوات قانونی، اور مساوات ملکی و شہری شامل ہیں⁴⁰۔ جمہوریت میں انسانی حقوق کا یہ تصور تاریخی ارتقاء کا نتیجہ ہے، جس میں طویل جدوجہد اور قربانیوں کے بعد یہ حقوق حاصل کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، فرانسیسی انقلاب کے بعد جمہوریت نے عورتوں کو مردوں کے برابر سیاسی حقوق دیے، جس میں حق رائے دہی، حق نمائندگی، اور حق عہدہ شامل ہیں⁴¹۔ تاہم، جمہوریت میں انسانی حقوق کا یہ تصور بعض اوقات اسلامی تصور سے مختلف ہو سکتا ہے، کیونکہ جمہوریت میں انسانی حقوق کا بنیادی ماخذ انسانی عقل اور تجربہ ہے، جبکہ اسلام میں انسانی حقوق کا ماخذ ربانی تعلیمات ہیں۔ جمہوریت میں انسانی حقوق کے باوجود، بعض صورتوں میں یہ نظام عدم مساوات کا باعث بھی بن سکتا ہے، خاص طور پر ترقی یافتہ ممالک میں جہاں اشرافیہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جمہوریت کا استعمال کرتی ہے۔ نیز، جمہوریت میں انسانی حقوق کا تصور بعض اوقات مذہبی اور ثقافتی اقدار سے متصادم ہو سکتا ہے، جیسے کہ عورت اور مرد کے مخصوص کرداروں کے حوالے سے۔ اس کے برعکس، اسلام میں انسانی حقوق کا تصور زیادہ جامع اور متوازن ہے، جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

شوریٰ میں انسانی حقوق کی ضمانت

شوریٰ کے اسلامی نظام میں انسانی حقوق کی ضمانت انتہائی مضبوط اور واضح ہے، جس کا مقصد نہ صرف قانونی بلکہ معاشرتی، معاشی اور اخلاقی حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ شوریٰ میں انسانی حقوق کی ضمانت کا بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہے، جس میں تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے⁴²۔ شوریٰ کے نظام میں انسانی حقوق کی ضمانت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں غیر مسلموں کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے، اور انہیں وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، بشرطیکہ وہ اسلامی ریاست کے وفادار رہیں⁴³۔ نیز، شوریٰ میں انسانی حقوق کی ضمانت کا مقصد معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے، نہ کہ صرف انفرادی حقوق کا تحفظ۔ شوریٰ کے نظام میں انسانی حقوق کی ضمانت کی ایک مثال زکوٰۃ اور صدقات کا نظام ہے، جس کے ذریعے امیر اور غریب کے درمیان معاشی توازن قائم کیا جاتا ہے۔ نیز، شوریٰ میں انسانی حقوق کی ضمانت کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس میں عورتوں اور بچوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اور انہیں وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں، البتہ بعض خاص حالات میں شرعی احکامات کے مطابق فرق ہو سکتا ہے۔ اس طرح، شوریٰ کا نظام انسانی حقوق کی ایک جامع ضمانت پیش کرتا ہے، جس کا مقصد معاشرے میں مکمل عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 4045

ابن خلدون، عبدالرحمن۔ مقدمہ ابن خلدون۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2008ء، جلد 1، صفحہ 210⁴¹

القرطبی، محمد بن احمد۔ الجامع لاحکام القرآن۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004ء، جلد 4، صفحہ 161⁴²

ابن کثیر، اسماعیل بن عمر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ ریاض: دار طیبہ، 2002ء، جلد 7، صفحہ 531⁴³

فقہ حنفی کے اصولِ عدل کا اطلاق

فقہ حنفی میں اصولِ عدل کا اطلاق انتہائی واضح اور متوازن ہے، جس کا مقصد نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عدل کا مطلب ہر شخص کو یکساں حقوق دینا نہیں، بلکہ ہر فرد کو اس کے مقام و مرتبے کے مطابق حقوق دینا ہے⁴⁴۔ فقہ حنفی میں اصولِ عدل کا اطلاق انسانی حقوق کے تحفظ میں انتہائی اہم ہے، جس میں غیر مسلموں، عورتوں، اور غریبوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، فقہ حنفی میں غیر مسلموں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، بشرطیکہ وہ اسلامی ریاست کے وفادار رہیں⁴⁵۔ نیز، فقہ حنفی میں اصولِ عدل کا اطلاق معاشی حقوق کے تحفظ میں بھی انتہائی اہم ہے، جس میں زکوٰۃ، صدقات، اور دیگر مالی عبادات کے ذریعے امیر اور غریب کے درمیان توازن قائم کیا جاتا ہے۔ فقہ حنفی میں اصولِ عدل کا اطلاق کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا ہے، اور انہیں وراثت، تعلیم، اور روزگار کے حقوق حاصل ہیں، البتہ بعض خاص حالات میں شرعی احکامات کے مطابق فرق ہو سکتا ہے۔ اس طرح، فقہ حنفی میں اصولِ عدل کا اطلاق انسانی حقوق کے تحفظ کا ایک جامع اور متوازن نظام پیش کرتا ہے، جس کا مقصد معاشرے میں مکمل عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

10۔ شوریٰ اور جمہوریت میں قیادت کا تصور

اسلامی تصورِ قیادت

اسلامی تصورِ قیادت بنیادی طور پر قرآن و سنت سے ماخوذ ہے، جس میں قیادت کو ایک امانت اور ذمہ داری سمجھا جاتا ہے نہ کہ عزت اور تفاخر کا ذریعہ۔ اسلامی قیادت کا بنیادی مقصد عوام کی خدمت اور اللہ کے احکامات کی پیروی کرنا ہے۔ امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں واضح کیا ہے کہ اسلامی قیادت کی بنیاد تقویٰ، عدل، اور امانت داری پر ہونی چاہیے، اور قائد کو ہمیشہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہونے کا احساس رکھنا چاہیے⁴⁶۔ اسلامی قیادت میں شوریٰ کا اصول انتہائی اہم ہے، جس کے تحت قائد کو اہم معاملات میں اہل علم اور تجربہ کار افراد سے مشورہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ صحابہ کرام سے مشورہ لیا، چاہے معاملات جنگی ہوں یا انتظامی۔ نیز، اسلامی قیادت میں قائد کی ذاتی زندگی بھی عوام کے لیے نمونہ ہونی چاہیے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"⁴⁷۔ اسلامی قیادت کا یہ تصور جمہوری قیادت سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں قائد کی بنیادی وفاداری اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے ساتھ ہوتی ہے، نہ کہ صرف عوامی رائے کے ساتھ۔ امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں اسلامی قیادت کے انہی اصولوں کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ قائد کے لیے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے⁴⁸۔

جمہوری قیادت کا تصور

جمہوری قیادت کا تصور بنیادی طور پر عوامی مرضی اور اکثریتی رائے پر مبنی ہے، جس میں قائد کا انتخاب عوام براہ راست یا بالواسطہ طور پر کرتی ہے۔ جمہوری قیادت میں قائد کی بنیادی ذمہ داری عوامی مفادات کا تحفظ اور عوامی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے۔ جمہوری نظام میں قیادت کا تصور اس عقیدے پر مبنی ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا منبع عوام ہیں، اور قائد صرف ایک نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جمہوری قیادت کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ قائد عوامی رائے کے مطابق فیصلے کرے اور عوامی مفادات کو ترجیح دے۔ جدید جمہوری نظاموں میں قیادت کے لیے مخصوص مدت مقرر ہوتی ہے، اور قائد کو باقاعدہ انتخابات کے ذریعے منتخب کیا جاتا ہے۔ نیز، جمہوری قیادت میں احتساب کا نظام بھی موجود ہوتا ہے، جس کے تحت قائد

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 4439

الکاسانی، علاء الدین۔ بدائع الصنائع۔ کراچی: مکتبہ بحر العلوم، 2003ء، جلد 5، صفحہ 121

الغزالی، ابو حامد۔ احیاء علوم الدین۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2001ء، جلد 2، صفحہ 145

الاحزاب: 21

الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحديث، 2006ء، صفحہ 78

اپنے فیصلوں اور اقدامات کے لیے عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ جمہوری قیادت کے تصور میں شفافیت، جوابدہی، اور قانون کی حکمرانی جیسے اصولوں کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ تاہم، جمہوری قیادت کا یہ تصور بعض اوقات اسلامی تصور قیادت سے متصادم ہو سکتا ہے، خاص طور پر جب عوامی رائے اسلامی اصولوں کے خلاف ہو۔ مثال کے طور پر، اگر عوامی رائے کسی ایسے فیصلے کے حق میں ہو جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو، تو جمہوری قائد کے لیے یہ مشکل ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر عمل کرے یا عوامی خواہشات کو پورا کرے۔ اس طرح، جمہوری قیادت کا تصور اپنی نوعیت میں اسلامی تصور قیادت سے مختلف ہے، کیونکہ اس میں عوامی رائے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے، جبکہ اسلامی تصور قیادت میں اللہ کے احکامات کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں قیادت کے معیارات

فقہ حنفی میں قیادت کے معیارات انتہائی واضح اور مربوط ہیں، جن کا مقصد معاشرے میں ایک ایسا قائد منتخب کرنا ہے جو نہ صرف دنیاوی بلکہ دینی معاملات میں بھی رہنمائی کر سکے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قائد کے لیے سب سے پہلی شرط ایمان و تقویٰ ہے، کیونکہ تقویٰ ہی قائد کو غلط فیصلوں سے بچاتا ہے۔ نیز، قائد میں عدل و انصاف کا مادہ ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کرے۔ امام سرخسی نے "المبسوط" میں لکھا ہے کہ قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم اور تجربہ رکھتا ہو، تاکہ وہ درست فیصلے کر سکے⁴⁹۔ فقہ حنفی میں قیادت کے معیارات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ قائد کو شوریٰ کے اصول پر عمل کرنا ضروری ہے، اور اہم معاملات میں اہل علم سے مشورہ لینا چاہیے۔ نیز، قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کا سلوک کرے، اور ان کی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ فقہ حنفی میں قیادت کے معیارات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ قائد کو صالح اور متقی ہونا چاہیے، تاکہ اس کی ذاتی زندگی عوام کے لیے نمونہ بن سکے۔ امام ابن عابدین نے "رد المحتار" میں لکھا ہے کہ قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کرے، اور ہمیشہ عوام کے حقوق کا خیال رکھے⁵⁰۔ فقہ حنفی کے ان معیارات کا مقصد معاشرے میں ایک ایسا قائد تیار کرنا ہے جو نہ صرف دنیاوی بلکہ اخروی کامیابی کا ضامن ہو۔

11- خواتین کی شمولیت: شوریٰ اور جمہوریت میں

ابتدائی اسلامی تاریخ میں خواتین کا کردار

ابتدائی اسلامی تاریخ میں خواتین نے شوریٰ اور دیگر اجتماعی معاملات میں انتہائی فعال کردار ادا کیا، جو اسلام میں عورتوں کے اعلیٰ مقام کی واضح دلیل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں خواتین نہ صرف دینی تعلیمات حاصل کرتی تھیں بلکہ اہم معاملات میں اپنی رائے کا اظہار بھی کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کی سب سے بڑی معاون اور مشیر بھی تھیں⁵¹۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نہ صرف علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل کیا بلکہ انہوں نے سیاسی و سماجی معاملات میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے علم و فقہ کے میدان میں اتنی شہرت پائی کہ بڑے بڑے صحابہ کرام اور تابعین ان سے استفادہ کرتے تھے⁵²۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی خواتین کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں خواتین مسجد نبوی میں تعلیمی حلقوں میں شریک ہوتی تھیں اور اہم معاملات میں اپنی آراء کا اظہار کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ سے بھی متعدد معاملات میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ غزوہ احد میں خواتین نے نہ صرف زخمیوں کی مرہم پٹی کی بلکہ بعض نے میدان جنگ میں بھی حصہ لیا۔ حضرت نسیم بنت کعبؓ نے غزوہ احد میں نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے متعدد

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 4956

ابن عابدین، محمد امین۔ رد المحتار۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 3، صفحہ 5088

الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 5178

الطبری، محمد بن جریر۔ تاریخ الطبری۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2007ء، جلد 3، صفحہ 52210

زخم برداشت کیے۔ ان تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی اسلامی معاشرے میں خواتین کی شمولیت کو نہ صرف قبول کیا جاتا تھا بلکہ اسے سراہا بھی جاتا تھا۔

جمہوریت میں خواتین کے سیاسی حقوق

جمہوریت میں خواتین کے سیاسی حقوق کا تصور بنیادی طور پر مساوات اور انصاف پر مبنی ہے، جس کا مقصد خواتین کو مردوں کے برابر سیاسی شرکت کے مواقع فراہم کرنا ہے۔ جدید جمہوری نظاموں میں خواتین کو ووٹ کا حق، انتخابات میں حصہ لینے کا حق، اور عوامی عہدوں پر فائز ہونے کا حق حاصل ہے۔ بیسویں صدی میں خواتین کے حقوق کی تحریکوں کے نتیجے میں بیشتر جمہوری ممالک میں خواتین کو یہ حقوق حاصل ہوئے⁵³۔ تاہم، جمہوریت میں خواتین کے سیاسی حقوق کا یہ تصور اسلامی تصور سے مختلف ہے، کیونکہ جمہوریت میں حقوق کا ماخذ انسانی قانون اور عوامی مطالبہ ہے، جبکہ اسلام میں خواتین کے حقوق کا ماخذ ربانی تعلیمات ہیں۔ جمہوریت میں خواتین کے سیاسی حقوق کے باوجود، بعض صورتوں میں یہ نظام صنفی تفریق کا باعث بھی بن سکتا ہے، خاص طور پر ترقی یافتہ ممالک میں جہاں خواتین کو بعض عوامی عہدوں پر فائز ہونے میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ نیز، جمہوریت میں خواتین کے سیاسی حقوق کا تصور بعض اوقات اسلامی اقدار سے متصادم ہو سکتا ہے، جیسے کہ خواتین کے مخصوص کرداروں کے حوالے سے۔ اس کے برعکس، اسلام میں خواتین کے سیاسی حقوق کا تصور زیادہ جامع اور متوازن ہے، جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا جاتا ہے⁵⁴۔

فقہ حنفی میں خواتین کی نمائندگی

فقہ حنفی میں خواتین کی نمائندگی کے اصول انتہائی واضح اور متوازن ہیں، جن کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ اور ان کی شمولیت کو یقینی بنانا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک خواتین کو علم و تعلیم کے میدان میں مردوں کے برابر مواقع ملنے چاہئیں، اور وہ اجتماعی معاملات میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہیں⁵⁵۔ فقہ حنفی میں خواتین کی نمائندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ تجارت اور دیگر معاشی معاملات میں مردوں کے برابر حقوق رکھتی ہیں، اور انہیں اپنی جائیداد پر مکمل اختیار حاصل ہے۔ نیز، فقہ حنفی میں خواتین کو عدالت میں گواہی کا حق حاصل ہے، اور ان کی گواہی کو مردوں کے برابر اہمیت دی جاتی ہے، البتہ بعض خاص معاملات میں شرعی احکامات کے مطابق فرق ہو سکتا ہے⁵⁶۔ فقہ حنفی میں خواتین کی نمائندگی کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ وہ تعلیم و تدریس کے میدان میں بھی مردوں کے برابر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ تاریخی طور پر، فقہ حنفی کی بہت سی خواتین عالمہ نے علم و فقہ کے میدان میں نمایاں contributions دیں، جن میں ام الہانی اور فاطمہ البغدادیہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔ ان خواتین نے نہ صرف علم حدیث و فقہ کی تعلیم دی بلکہ انہوں نے بڑے بڑے علماء کو تربیت بھی فراہم کی۔ اس طرح، فقہ حنفی میں خواتین کی نمائندگی کا تصور ان کے حقوق کے تحفظ کا ایک جامع نظام پیش کرتا ہے، جس کا مقصد معاشرے میں مکمل عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

12۔ اقلیتوں کے حقوق

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق انتہائی واضح اور جامع ہیں، جو نہ صرف قرآن و سنت بلکہ فقہی اصولوں پر بھی مبنی ہیں۔ اسلام نے غیر مسلم شہریوں کو وہی بنیادی حقوق دیے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، جن میں جان و مال کا تحفظ، مذہبی آزادی، اور معاشی حقوق شامل ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" (دین میں کوئی جبر نہیں ہے)⁵⁷، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں مذہبی آزادی کا احترام کیا جاتا ہے۔ نیز،

ابن خلدون، عبدالرحمن۔ مقدمہ ابن خلدون۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2008ء، جلد 1، صفحہ 210⁵³

القرطبی، محمد بن احمد۔ الجامع لاحکام القرآن۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004ء، جلد 4، صفحہ 161⁵⁴

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 56⁵⁵

الکاسانی، علاء الدین۔ بدائع الصنائع۔ کراچی: مکتبہ بحر العلوم، 2003ء، جلد 5، صفحہ 121⁵⁶

البقرہ: 256⁵⁷

نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "جس نے کسی معاہدہ (غیر مسلم شہری) پر ظلم کیا، تو قیامت کے دن میں اس کے خلاف ہوں گا"⁵⁸۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کی ضمانت کے لیے متعدد اصول وضع کیے گئے ہیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ غیر مسلم شہریوں کی جان و مال کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے⁵⁹۔ نیز، غیر مسلموں کو اپنے مذہبی امور میں مکمل آزادی حاصل ہے، اور ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ تاریخی طور پر، خلفائے راشدین کے دور میں غیر مسلموں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، اور انہیں مسلمانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر، حضرت عمر کے دور میں غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کی طرح عدالت میں انصاف ملتا تھا، اور ان کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ اس طرح، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ ایک مقدس فریضہ ہے، جس کی پابندی ہر مسلمان حکمران پر لازم ہے۔

جمہوریت میں اقلیتوں کی نمائندگی

جمہوریت میں اقلیتوں کی نمائندگی کا تصور بنیادی طور پر مساوات اور انصاف پر مبنی ہے، جس کا مقصد تمام شہریوں کو یکساں حقوق اور مواقع فراہم کرنا ہے۔ جمہوری نظاموں میں اقلیتوں کی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لیے مختلف اقدامات کیے جاتے ہیں، جن میں مخصوص نشستیں، کوٹہ سسٹم، اور خصوصی حقوق شامل ہیں۔ تاہم، جمہوریت میں اقلیتوں کی نمائندگی کے باوجود، بعض اوقات یہ نظام عدم مساوات کا باعث بھی بن سکتا ہے، خاص طور پر ترقی یافتہ ممالک میں جہاں اثرافہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جمہوریت کا استعمال کرتی ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کی نمائندگی کے حوالے سے صورت حال تسلی بخش نہیں ہے، جہاں 1980ء میں جو نشستیں مخصوص تھیں، وہی آج بھی برقرار ہیں، حالانکہ اقلیتوں کی آبادی میں اضافہ ہوا ہے۔ 2017ء کی مردم شماری کے مطابق، پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کی کل آبادی 73 لاکھ 20 ہزار ہے، جس میں ہندو 36 لاکھ (1.73 فیصد) اور مسیحی 26 لاکھ 40 ہزار (1.27 فیصد) ہیں، لیکن ان کی نمائندگی پارلیمنٹ میں متناسب نہیں ہے۔ نیز، جمہوریت میں اقلیتوں کی نمائندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انہیں براہ راست انتخابات میں حصہ لینے کا حق حاصل ہونا چاہیے، نہ کہ صرف مخصوص نشستوں تک محدود رہنا چاہیے۔ سابق رکن قومی اسمبلی لال چند کے مطابق، اقلیتوں کے لیے مختص نشستوں میں اضافہ کیا جانا چاہیے، اور ان نشستوں پر اقلیتی برادری کے حقیقی نمائندوں کو منتخب کیا جانا چاہیے۔ جمہوریت میں اقلیتوں کی نمائندگی کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوامی مفادات کو ترجیح دی جائے اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

فقہ حنفی کے اصول اور عصر حاضر

فقہ حنفی کے اصول عصر حاضر میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے انتہائی اہم ہیں، کیونکہ یہ اصول نہ صرف قرآن و سنت بلکہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بھی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک، غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا تحفظ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے، اور انہیں وہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ فقہ حنفی میں غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے لیے متعدد اصول وضع کیے گئے ہیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ غیر مسلم شہریوں کی جان و مال کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے⁶⁰۔ نیز، فقہ حنفی میں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی کا حق حاصل ہے، اور ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ غیر مسلم شہریوں سے جزیہ لینے کا مقصد ان کی حفاظت فراہم کرنا ہے، نہ کہ ان پر ظلم کرنا⁶¹۔ عصر حاضر میں فقہ حنفی کے ان اصولوں کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اقدامات کیے جاسکتے ہیں، خاص طور پر پاکستان جیسے ممالک میں جہاں اقلیتوں کی آبادی کافی ہے۔ نیز، فقہ حنفی کے اصولوں کی روشنی میں اقلیتوں

ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج، باب فی تعشیر، 3:170، رقم: 3052

الماوردی، علی بن محمد. الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 45

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 56

ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم۔ کتاب الخراج۔ قاہرہ: المطبعہ السلفیہ، 2002ء، صفحہ 134

کے ساتھ امتیازی سلوک کے خلاف اقدامات کیے جاسکتے ہیں، اور انہیں معاشرتی و معاشی حقوق فراہم کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح، فقہ حنفی کے اصول عصر حاضر میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک رہنما کردار ادا کر سکتے ہیں۔

13۔ شوریٰ اور جمہوریت کے عملی چیلنجز

جدید جمہوریت میں مسائل

جدید جمہوریت کو متعدد چیلنجز کا سامنا ہے، جن میں سیاسی استحکام کی کمی، اقلیتوں کے حقوق کی پامالی، اور عوامی نمائندگی کے حوالے سے مسائل شامل ہیں۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق، بھارت میں ووٹر لسٹوں میں بے قاعدگیوں کے باعث لاکھوں اصلی ووٹر ووٹ کے حق سے محروم ہو سکتے ہیں، خاص طور پر پسماندہ طبقات اور اقلیتی گروہوں کے لوگ۔ یہ مسئلہ صرف بھارت تک محدود نہیں بلکہ دنیا بھر کی جمہوریتوں میں پایا جاتا ہے، جہاں انتخابی عمل میں شفافیت کی کمی اور اداروں کے غیر موثر ہونے کے باعث عوامی اعتماد متاثر ہوتا ہے۔ جدید جمہوریت کا ایک اور اہم چیلنج پاپولزم کا عروج ہے، جس میں رہنما عوامی جذبات کو بھڑکا کر اپنے مفادات کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ پاپولسٹ رہنما اکثر میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے عوامی رائے کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے جمہوری اقدار کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ نیز، جدید جمہوریت میں معاشی عدم مساوات بھی ایک بڑا چیلنج ہے، جہاں امیر اور غریب کے درمیان فرق دن بدن بڑھ رہا ہے۔ معاشی عدم مساوات کے باعث عوامی احتجاج اور سماجی بے چینی میں اضافہ ہوتا ہے، جو جمہوری استحکام کے لیے خطرہ ہے۔ ان مسائل کے باوجود، جمہوریت دنیا بھر میں عوامی حکومت کا سب سے مقبول نظام ہے، جس میں اصلاحات کے ذریعے ان چیلنجز پر قابو پانے کی کوششیں جاری ہیں۔

شوریٰ کے عملی نفاذ کی مشکلات

شوریٰ کے عملی نفاذ کو متعدد مشکلات کا سامنا ہے، جن میں اہل الرائے کی شناخت، مشاورتی عمل کی تشکیل، اور فیصلہ سازی میں تاخیر شامل ہیں۔ اسلامی ریاست میں شوریٰ کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ اہل علم اور تجربہ کار افراد کی ایک مجلس تشکیل دی جائے، جو قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کرے۔ تاہم، موجودہ دور میں اہل الرائے کی شناخت ایک مشکل امر ہے، کیونکہ معاشرے میں علم اور تقویٰ کی بنیاد پر افراد کے انتخاب کے بجائے سیاسی وابستگی اور مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ نیز، شوریٰ کے عمل میں اجتماعی رائے کو اکثریتی رائے پر فوقیت حاصل ہوتی ہے، لیکن عملی طور پر اسے نافذ کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ امام ماموردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں لکھا ہے کہ شوریٰ کے عمل میں تاخیر اور اختلافات کے باعث فیصلہ سازی متاثر ہو سکتی ہے⁶²۔ نیز، موجودہ دور میں شوریٰ کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ اسے جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے، جس میں خواتین اور اقلیتوں کی نمائندگی کو یقینی بنایا جائے۔ شوریٰ کے عملی نفاذ کی ایک اور مشکل یہ ہے کہ اسے جمہوری نظام کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہے، جہاں عوامی رائے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ شوریٰ کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ حکمران اور عوام دونوں میں اسلامی اقدار کا احترام موجود ہو⁶³۔ ان مشکلات کے باوجود، شوریٰ کا نظام اسلامی حکومت کا ایک اہم ستون ہے، جس کے ذریعے عدل و انصاف قائم کیا جاسکتا ہے۔

فقہ حنفی کی رہنمائی

فقہ حنفی شوریٰ اور جمہوریت کے عملی چیلنجز کے حل کے حوالے سے ایک رہنما کردار ادا کر سکتی ہے، کیونکہ اس کے اصول نہ صرف قرآن و سنت بلکہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بھی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک، شوریٰ کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ اہل علم اور تجربہ کار افراد پر مشتمل ایک

الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 6278

الغزالی، ابو حامد۔ احیاء علوم الدین۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2001ء، جلد 2، صفحہ 63145

مجلس تشکیل دی جائے، جو اجتماعی رائے سے فیصلے کرے۔ فقہ حنفی میں شوریٰ کے عمل کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے، اور اسے اسلامی حکومت کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ امام سرخسی نے "المبسوط" میں لکھا ہے کہ شوریٰ کے بغیر کسی بھی اہم معاملے میں فیصلہ کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ سنت نبویؐ اور خلفائے راشدین کے طریقے کے خلاف ہے⁶⁴۔ نیز، فقہ حنفی میں عوامی نمائندگی کے اصولوں کو واضح کیا گیا ہے، جس کے مطابق خواتین اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔ ابن عابدین نے "رد المحتار" میں لکھا ہے کہ شوریٰ کے عمل میں تمام شہریوں کی رائے کو اہمیت دی جانی چاہیے، بشرطیکہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق ہو⁶⁵۔ فقہ حنفی کی رہنمائی میں شوریٰ اور جمہوریت کے درمیان توازن قائم کیا جاسکتا ہے، جہاں عوامی رائے کو اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے فوقیت دی جاتی ہے۔ اس طرح، فقہ حنفی کے اصول عصر حاضر میں شوریٰ اور جمہوریت کے عملی چیلنجز کے حل کے لیے ایک رہنما کردار ادا کر سکتے ہیں۔

14۔ عصر حاضر میں فقہ حنفی کا اطلاق

جدید سیاسی نظاموں پر فقہ حنفی کی رائے

فقہ حنفی جدید سیاسی نظاموں کے بارے میں ایک متوازن اور واضح نقطہ نظر پیش کرتی ہے، جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی بھی سیاسی نظام اسلامی اصولوں کے تابع ہونا چاہیے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک، حکومت کا بنیادی مقصد عدل و انصاف قائم کرنا اور شریعت کے احکامات کو نافذ کرنا ہے⁶⁶۔ جدید جمہوری نظاموں کے بارے میں فقہ حنفی کی رائے یہ ہے کہ اگر جمہوریت کے ذریعے عوامی مفادات کا تحفظ ہوتا ہے اور اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، تو اسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ تاہم، اگر جمہوریت کے نام پر اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی کی جاتی ہے، تو اسے رد کر دیا جانا چاہیے۔ فقہ حنفی میں شوریٰ کے اصول کو جدید جمہوری نظاموں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس میں اہل علم اور تجربہ کار افراد کی رائے کو فوقیت دی جائے⁶⁷۔ نیز، فقہ حنفی میں یہ اصول واضح ہے کہ حکومت کے تمام فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں ہونے چاہئیں، اور عوامی رائے کو اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے فوقیت دی جانی چاہیے۔ اس طرح، فقہ حنفی جدید سیاسی نظاموں کے بارے میں ایک یکجہاں اور متوازن نقطہ نظر پیش کرتی ہے، جس کا مقصد معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

جمہوری اداروں میں فقہ حنفی کی تطبیق

جمہوری اداروں میں فقہ حنفی کی تطبیق کے حوالے سے فقہ حنفی کے اصول انتہائی واضح اور مربوط ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک، جمہوری اداروں میں کام کرتے وقت اسلامی اصولوں کی پابندی لازمی ہے، اور ایسے فیصلوں سے گریز کرنا چاہیے جو شریعت کے خلاف ہوں۔ فقہ حنفی میں جمہوری اداروں کی تطبیق کے لیے یہ اصول وضع کیے گئے ہیں کہ عوامی نمائندوں کو اسلامی اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے، اور ان کے فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں ہونے چاہئیں⁶⁸۔ نیز، فقہ حنفی میں یہ بات بھی واضح ہے کہ جمہوری اداروں میں خواتین اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے، بشرطیکہ یہ حقوق اسلامی اصولوں کے دائرے میں ہوں۔ امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ جمہوری اداروں میں کام کرتے وقت عدل و انصاف کو فوقیت دی جانی چاہیے، اور عوامی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دی جانی چاہیے⁶⁹۔ اس طرح، فقہ حنفی جمہوری اداروں میں ایک متوازن اور اسلامی نقطہ نظر پیش کرتی ہے، جس کا مقصد معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 56

ابن عابدین، محمد امین۔ رد المحتار۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 3، صفحہ 88

السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط بیروت: دار المعرفة، 1993ء، جلد 14، صفحہ 56

الماوردی، علی بن محمد۔ الاحکام السلطانیہ۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006ء، صفحہ 78

ابن عابدین، محمد امین۔ رد المحتار۔ بیروت: دار الفکر، 1992ء، جلد 3، صفحہ 88

ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم۔ کتاب الخراج۔ قاہرہ: المطبعہ السلفیہ، 2002ء، صفحہ 134

اسلامی ممالک کی مثالیں

اسلامی ممالک میں فقہ حنفی کے اطلاق کی متعدد مثالیں موجود ہیں، جن میں پاکستان، ترکی، اور مصر شامل ہیں۔ پاکستان میں فقہ حنفی کے اصولوں کو عدالتی نظام میں لاگو کیا جاتا ہے، اور فقہ حنفی کی روشنی میں قوانین بنائے جاتے ہیں۔ نیز، پاکستان میں فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق خواتین اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے⁷⁰۔ ترکی میں فقہ حنفی کے اصولوں کو جدید جمہوری نظام کے ساتھ ہم آہنگ کیا گیا ہے، جہاں عدالتی فیصلے فقہ حنفی کی روشنی میں کیے جاتے ہیں۔ مصر میں بھی فقہ حنفی کے اصولوں کو عدالتی نظام میں لاگو کیا جاتا ہے، اور فقہ حنفی کی روشنی میں قوانین بنائے جاتے ہیں⁷¹۔ دیگر اسلامی ممالک جیسے کہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، اور انڈونیشیا میں بھی فقہ حنفی کے اصولوں کو لاگو کیا جاتا ہے، اور ان ممالک میں فقہ حنفی کی روشنی میں عدالتی فیصلے کیے جاتے ہیں۔ اس طرح، اسلامی ممالک میں فقہ حنفی کے اطلاق کی متعدد مثالیں موجود ہیں، جو اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ فقہ حنفی کے اصول عصر حاضر میں بھی relevant اور قابل اطلاق ہیں۔

15۔ نتیجہ اور سفارشات

اس تحقیقی مطالعے کے نتائج سے واضح ہوتا ہے کہ شوریٰ اور جمہوریت دونوں میں عوامی شمولیت اور اجتماعی فیصلہ سازی کے اصول پائے جاتے ہیں، تاہم دونوں کے مابین بنیادی فرق ان کے ماخذ اور حدود میں ہے۔ شوریٰ کا ماخذ قرآن و سنت ہے، جبکہ جمہوریت کا ماخذ انسانی عقل اور تجربہ ہے۔ شوریٰ کا اسلامی نظام نہ صرف عوامی رائے کو اہمیت دیتا ہے بلکہ اسے شرعی اصولوں کے دائرے میں رکھتا ہے، جبکہ جمہوریت میں عوامی رائے کو مطلق حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ فقہ حنفی کے اصول آج بھی قابل اطلاق ہیں اور انہیں جدید سیاسی نظاموں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ تحقیق کے نتائج سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور ان کے ساتھ مساوی سلوک ناگزیر ہے۔ اس طرح یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شوریٰ اور جمہوریت کے درمیان امتزاج ممکن ہے، بشرطیکہ اسے اسلامی اصولوں کے دائرے میں رکھا جائے۔

شوریٰ اور جمہوریت کے امتزاج کی متعدد صورتیں سامنے آتی ہیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ جمہوری نظام میں شوریٰ کے اصولوں کو شامل کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے قانون سازی کے عمل میں اہل علم اور شرعی ماہرین کی رائے کو لازمی قرار دیا جاسکتا ہے تاکہ تمام قوانین اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں۔ اسی طرح انتخابی عمل میں دیاندار اور قابل افراد کے انتخاب کو یقینی بنایا جانا چاہیے تاکہ قیادت میں صلاحیت اور شفافیت پیدا ہو۔ ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ عدالتی نظام میں فقہ حنفی کے اصولوں کو شامل کیا جائے تاکہ انصاف کی فراہمی بہتر طور پر یقینی ہو سکے۔ اس طرح شوریٰ اور جمہوریت کا امتزاج محض نظری ہی نہیں بلکہ عملی بھی ہے اور اسے اسلامی ریاستوں میں نافذ کیا جاسکتا ہے۔

عصر حاضر کے تناظر میں چند تجاویز یہ ہیں کہ سب سے پہلے اسلامی ممالک کے تعلیمی نصاب میں شوریٰ کے اصولوں کو شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل کو اسلامی سیاسی نظام کی اہمیت کا شعور حاصل ہو۔ دوم، جمہوری اداروں میں شوریٰ کے اصولوں کو نافذ کیا جائے تاکہ عوامی نمائندے اسلامی اقدار کے مطابق فیصلے کر سکیں۔ سوم، اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے واضح اور مضبوط قوانین تشکیل دیے جائیں تاکہ انہیں مسلمانوں کے برابر حقوق مل سکیں۔ چہارم، ذرائع ابلاغ کے ذریعے شوریٰ کے اصولوں کی ترویج کی جائے تاکہ عوامی سطح پر آگاہی پیدا ہو۔ پنجم، بین الاقوامی سطح پر اسلامی سیاسی نظام کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے تاکہ دنیا میں اس کی افادیت کو تسلیم کیا جاسکے۔ ان اقدامات کے ذریعے شوریٰ اور جمہوریت کے امتزاج کو نہ صرف مضبوط بنایا جاسکتا ہے بلکہ اسلامی سیاسی نظام کو بھی مزید مؤثر اور فعال کیا جاسکتا ہے۔

الشیبانی، محمد بن حسن۔ کتاب السیر الکبیر۔ کراچی: مکتبہ البشائر، 2012ء، جلد 2، صفحہ 7095
ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم۔ السياسة الشرعیہ۔ ریاض: مکتبہ الرشید، 2009ء، صفحہ 7112